قاضی اطہر مبارکپوری

فقہ اہل سنت کی ابتدائی تاریخ

دور رسالت، دور صحابہ اور دور تابعین کے بعد فقہ کی حیثیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں شریعت کا دار و مدار وحی الٰہی کے تازہ ارشادات تھے، چاہے وہ ارشادات کتاب اللہ (قرآن) کی صورت میں ہوں، چاہے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث) کی صورت میں ہوں۔ مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے عالی کے ساتھ ممتاز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء سے بھی کام لیا جاتا تھا خصوصیت سے خلفاء اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشورہ دیا کرتے تھے۔ بلکہ یہ حضرات فتوی بھی دیتے تھے۔

دور صحابہ

زمانہ وحی کے انقطاع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد پیدا ہونے والے شرعی مسائل وحوادث میں خلفائے راشدین (۱۱ھ سے ۴۰ھ تک) کے عہد میں صرف صحابہ کرام ہی مرجع تھے، اور نئے امور و مسائل میں ہر ان صحابی کا قول جو دینی امور میں دلچسپی لیتے تھے معتبر مانا گیا۔ عام طور سے صحابہ کرام میں "اصحاب فتویٰ" کے مشورے سے اہم مسائل طے ہوتے تھے۔ بالفاظ دیگر اسی دور میں "اجماع امت" کی تشکیل شروع ہوگئی تھی۔ اور اس دور کے اہل علم صحابہ رض کی رائیں معتبر مانی جانے لگیں۔

یوں تو بہت سے صحابہ کرام تھے، اگر دینی مسائل میں وہی حضرات معتبر مانے گئے جو قرآن کے عالم تھے، جنھوں نے قرآن کو لکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔ اس کے معنی ومفہوم اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ کو سمجھا، خلفائے راشدین کے زمانہ تک ایسے حضرات اور اہل علم "قراء" کے لقب سے مشہور رہے۔ یہ لقب صحابہ کرام کے گروہ میں غیر عالم کو عالم سے ممتاز کرتا تھا۔ صحابہ کرام میں "اصحاب فتویٰ" تقریباً ایک سو تیس افراد تھے، جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ ان میں سات صحابہ فتویٰ کے اعتبار سے "مکثرین" ہیں۔ یعنی ان کے فتوے بکثرت سے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت عمر بن خطاب رض (۲) حضرت علی بن ابو طالب رض (۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رض (۴) حضرت ام المومنین عائشہ رض (۵) حضرت زید بن ثابت رض (۶) حضرت عبد اللہ بن عباس رض (۷) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔

ان حضرات نے اس کثرت سے دینی مسائل بیان کئے ہیں اور فتاوی دیئے ہیں کہ اگر ان فتوؤں کو یکجا جمع کیا جائے تو ہر ایک صحابی کے مسائل وفتویٰ کی ضخیم جلدوں میں تیار ہو جائیں ——— ابو بکر بن موسیٰ نے صرف حضرت

عبداللہ بن عباس کے فتاویٰ بیس جلدوں میں جمع کئے گئے تھے (اعلام الموقعین ابن قیم)

دورِ بنو امیہ خلافت راشدہ کے بعد (۴۰ھ سے ۱۳۲ھ تک) بنو امیہ کا دورِ حکومت و خلافت رہا۔ اس دور میں علمی چرچے بہت زیادہ ہو گئے۔ اس دور کا درمیانی زمانہ صحابہ کرام کی بکثرت وفات کا زمانہ ہے،

جب صحابہ کرام ایک ایک کرکے دنیا سے رخصت ہونے لگے تو اجلۂ صحابہ سے ان کے علوم کی روایت کا سلسلہ جاری ہوا اور تابعین عظام صحابہ کرام کے جانشین بنے، چونکہ صحابہ کرام آخری زمانہ میں اسلامی قلمرو کے مختلف ممالک میں پھیل گئے تھے اور ہر ہر ملک میں قرآن و حدیث کے درس دے رہے تھے، اس لئے علوم دینیہ صرف حجاز ہی میں محدود نہ رہے بلکہ عرب و عجم میں بھی ان کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ اور اسلامی حکومت و خلافت کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ کا دائرہ بھی وسیع ہو گیا نیز حضارت و تمدن اور دوسری قوموں کے میل جول سے دوسرے نئے علوم سے ممارست ہوئی۔ اور نئے نئے علوم پیدا ہونے لگے، ان ہی حالات میں اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں علوم دینیہ کی باقاعدہ تدوین کرائی

اس دور میں علمائے دین کے لئے لفظ "قراء" کے بجائے دو نئے لقب پیدا ہوئے۔ ایک اہل سنت و حدیث" اور دوسرا "اہل فقہ و رائے" اور اب علمائے دین کی اپنے اپنے رجحان و نظریہ کے پیش نظر دو الگ الگ جماعتیں قرار پائیں۔ صحابہ کرام میں بہت سے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔ بعد میں یہ صحابہ اور ان کے تلامذہ احادیث کے متن اور مفہوم کی طرف زیادہ راغب ہوئے، لہٰذا ان کو "اصحاب الحدیث" کے خطاب سے یاد کیا جانے لگا۔ ان علماء کے مرکز حجاز کے دو شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تھے۔ اور صحابہ کرام میں بہت سے قرآن کے مقابلہ میں احادیث رسول کے لکھنے کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کو زبانی یاد کر لیا کرتے تھے۔ اور الفاظ سے گذر کر معانی پر زیادہ توجہ دیتے تھے، ان صحابہ کے شاگردوں نے بھی ان ہی کا رویہ اختیار کیا، چونکہ یہ حضرات حدیث کے ظاہری الفاظ سے زیادہ اس کے منشا و مفہوم کا لحاظ کرتے تھے۔ اور نئے مسائل میں دوسرے شرعی دلائل سے بھی مدد دیتے تھے۔ اس لئے ان کو "اہل الفقہ اور اہل الرائے" کہا گیا۔ ان کا مرکز عراق تھا۔

دورِ تابعین کی ایک خاص بات یہ ہے کہ تمام علوم دینیہ تقریباً موالی (آزاد کردہ غلاموں) اور عجمی النسل حضرات میں منتقل ہو گئے۔ اور علوم شرعیہ کے وارث یہی حضرات ٹھہرے۔ اس دور میں فقیہہ مکہ حضرت عطاؒ بن ابی رباح، فقیہہ یمن حضرت طاؤس، فقیہہ یمامہ حضرت یحییٰؒ بن ابی کثیر، فقیہہ کوفہ حضرت ابراہیمؒ نخعی، فقیہہ بصرہ حضرت حسن بصری فقیہہ خراسان حضرت عطاءؒ خراسانی، سب کے سب عجمی نسل کے غلام خاندان سے تھے، البتہ فقیہہ مدینہ حضرت سعید بن مسیبؒ قریشی نسل سے عربی نژاد تھے،

اس زمانہ میں (۴۰ھ سے ۱۳۲ھ) مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، مصر، شام، قیروان، یمن وغیرہ میں بے شمار محدثین اور فقہاء تھے۔ جن کے تلامذہ نے آگے چل کر اس دنیا میں قرآن و سنت اور فقہ کو عام کیا۔ بنو امیہ کے زمانہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ کی خلافت میں آپ کی توجہ سے احادیث و آثار کی تدوین و جمع کا باقاعدہ کام شروع ہو گیا تھا، اور صحابہ کرام کے جمع کئے ہوئے احادیث کے صحیفوں اور رسولؐ کی جگہ صحائف کا وجود ہوا۔ یوں تو تالیف و تدوین کی بنیاد اسلام میں احادیث کی اس باقاعدہ تدوین سے پہلے پڑ چکی تھی۔ مگر اب یہ کام ایک خاص اہتمام اور نگرانی کے ساتھ شروع ہوا

دورِ بنو عباسیہ سنہ ۱۳۲ھ سے بنو عباس کی خلافت و حکومت کا دور شروع ہوا۔ تو علوم کی طرف

زیادہ توجہ ہوئی، عام لوگوں میں علمی رجحان پیدا ہوا۔ عربی زبان میں نئے نئے علوم و فنون باقاعدہ منتقل ہونے لگے اور چونکہ تمام اسلامی ملکوں میں علمائے تابعین اور ان کے شاگرد پھیلے ہوئے تھے۔ اور ہر طرف دینی علوم کا شہرہ تھا اس لئے ان علوم کو آگے بڑھنے کا خوب موقعہ ملا۔ اور دوسری صدی کے نصف میں (۱۴۰ھ سے ۱۵۰ھ) احادیث کی باقاعدہ تدوین و جمع جن جن مقامات پر جن جن علماء نے سب سے پہلے حدیث کی کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) مدینہ میں امام مالکؒ (۲) مکہ میں ابن جریجؒ (۳) بصرہ میں ربیع بن صبیح بصری ہندیؒ[۱] (۴) کوفہ میں سفیان ثوریؒ (۵) شام میں اوزاعیؒ (۶) واسط میں ہشیمؒ (۷) یمن میں معمرؒ (۸) رے میں جریر بن عبدالحمیدؒ (۹) خراسان میں عبداللہ بن مبارکؒ یہ تمام کتابیں ۱۴۰ھ کے بعد تالیف ہوئیں اور یہ تمام مذکورہ علماء ایک وقت میں موجود تھے۔ اس لئے یہ معلوم نہیں ہے کہ کس نے ابتداء کی (مقدمہ فتح الباری شرح بخاری)

فقہ کی تدوین

یہ تو اس زمانہ میں اصحاب حدیث کی خدمات تھیں، اسی زمانہ میں اہل فقہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور دوسرے حضرات نے مل کر فقہ کی تدوین و ترتیب شروع کی۔ اور باقاعدہ مدون فن کی شکل میں عالم اسلامی کے سامنے فقہ کو پیش فرمایا۔

ان حضرات نے قرآن، حدیث، اجماع، اور قیاس سے فقہی مسائل اور فتاویٰ کو فنی حیثیت سے مدون کیا۔ اور اس طرح تقریباً پانچ لاکھ مسائل کو ایک جگہ منضبط کیا۔ اسی لئے تو حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:۔

"لوگ علم فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں۔ اور ان ہی کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں"

اس کے بعد فقہا اور محدثین دونوں کے متبعین نے تصنیفات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اپنے اپنے مسلک کے مطابق بے شمار کتابیں لکھیں، ان حضرات کے بعد دوسرے فقہا مثلاً امام شافعی اور ان کے تلامذہ نے فقہ کی تدوین کی اور اپنے علم و حکمت کے مطابق دینی مسائل کی تخریج فرمائی،

یہاں پر یہ بات جان لینا ضروری ہے، کہ محدثین کرام اجتہاد اور قیاس کے مخالف نہ تھے، البتہ وہ احادیث کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اور حتی الامکان حدیث کے ظاہری معنی و مفہوم پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور فقہا بھی احادیث کے منکر نہ تھے، بلکہ قرآن اور احادیث سے مسائل اخذ کرتے تھے۔ البتہ استنباط اور تطبیق کے لئے تمام اصول و فروع کا لحاظ کرتے ہوئے احتیاطی راہ اختیار کرتے تھے۔

چاروں امام

گزشتہ بیان سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں احکام کا دارومدار وحی الٰہی اور قول رسول پر تھا، نیز چند صحابہ کرام جو قرآن و حدیث کے عالم تھے۔ وہ حوادث فتاویٰ میں دخیل تھے۔ پھر عہد صحابہ و تابعین میں حاملین علوم شرعیہ حجاز، مصر، شام اور عراق میں بٹ گئے اور سب کے اصول روایت و درایت ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف تھے۔ ان میں علمائے ..... حجاز حدیث کے استاد بہت مشہور و معتبر تھے، ان کی روایات کا سلسلہ خوب بڑھا۔ بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے

---

[۱] حضرت ربیع بن صبیح بصریؒ ۱۶۰ھ میں مہدی کے زمانہ میں شہاب عبدی کی زیر سرکردگی رضاکارانہ طور پر ہندوستان آئے۔ اور بھاڑبھوت ضلع بھڑوچ (گجرات) کی مہم میں شریک ہوئے۔ اور ادھر ہی کہیں فوت ہوئے

ان کے سرخیل حضرت امام مالک بن انس رحؒ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اپنی کتاب "موطا" کو فقہی ترتیب پر مدون کیا۔ ان میں محدثین کا دوسرا گروہ علمائے عراق کا ہے۔ جو احادیث کی روایت میں بڑی شدت اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔ بلکہ غایت احتیاط کی وجہ سے فتویٰ دیتے ... وقت قال رسول اللہ کے بجائے خود اپنی طرف نسبت کرتے تھے۔ تاکہ روایت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط ہو سکے۔ اور کوئی ایسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو۔ جسے آپ نے نہیں فرمایا ہے اس جماعت کے سرخیل حضرت امام ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت کوفی ہیں۔

ان دونوں اماموں کے بعد علمائے حجاز میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحؒ پیدا ہوئے۔ آپ نے مکہ اور مدینہ کے محدثین سے علوم حاصل کئے۔ امام مالک سے زیادہ پڑھا۔ اس کے بعد امام ابو حنیفہ رحؒ کے تلامذہ سے علوم حاصل کئے۔ خصوصیت کے ساتھ امام محمد بن حسن شیبانی رحؒ سے بہت کچھ پڑھا۔ امام شافعی نے چونکہ علوم دینیہ کے دونوں مرکزوں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اور دونوں کے فکر و نظر سے واقف تھے۔ اس لئے آپ نے اہل حجاز اور اہل عراق میں سے ایک درمیانی راہ پیدا کی۔ اور ایسی فقہ ترتیب دی، جس میں حدیث اور قیاس کے توازن کو برقرار رکھا۔ اس نئی راہ کے سلسلہ میں امام شافعی نے اکثر مسائل میں اہل حجاز کے سرخیل امام مالک رحؒ سے اختلاف کیا۔ اور اپنا جداگانہ مسلک قائم کیا۔

امام شافعی رحؒ کے بعد اہل حجاز کے سلسلۂ علم میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے مسلک اور اپنی فقہ کی بنیاد زیادہ تر حدیث کے ظاہری الفاظ و معانی پر رکھی۔ مگر اس میں اتنا غلو نہ فرمایا جتنا کہ امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

دوسرے فقہا اور ان کی فقہ

ان چار اماموں اور ان کے مذاہب کے پیدا ہونے سے پہلے صحابہ کرام مرجع عام تھے اور ان کے فتاویٰ مانے جاتے تھے۔ ان کے بعد تابعین نے اپنے اپنے شہر کے صحابہ کے فتاویٰ اور اقوال کا اتباع کیا۔ عام طور پر ایک شہر کے لوگ اپنے یہاں کے مقتدیٰ صحابہ کے اقوال و فتاویٰ کو لیتے تھے، چنانچہ اہل مدینہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے فتاویٰ پر عمل کرتے تھے، اہل مکہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا اتباع کرتے تھے۔ پھر تابعین کے بعد جب فقہا کا دور آیا تو ہر شہر کے باشندوں نے اپنے یہاں کے فقیہ کا اتباع شروع کر دیا۔ اور پھر شدہ شدہ مقامی علماء کے یہ اقوال و فتاویٰ دوسرے شہروں اور ملکوں میں بھی پہونچے۔ اسی لئے ان چاروں اماموں کی فقہ سے پہلے عالم اسلام میں دوسرے کئی فقہا کی فقہیں جاری تھیں۔ اور لوگ ان پر عمل کرتے تھے۔ مگر چند دنوں کے بعد ان کی جگہ ان ہی چاروں فقہ نے لے لی۔ چنانچہ امام سفیان ثوری رحؒ، امام حسن بصری رحؒ کے مذاہب پہلے رائج تھے۔ اسی طرح امام اوزاعی کا مسلک بھی رائج تھا۔ مگر یہ تینوں مسلک دوسری صدی ہجری کے خاتمہ تک ختم ہو گئے، امام ابو ثور رحؒ کا مذہب بھی دنیا میں تیسری صدی ہجری تک رائج رہنے کے بعد ختم ہو گیا۔ البتہ امام داؤد ظاہری رحؒ کا مسلک دنیا میں زیادہ مدت تک چلا۔ اور چاروں مذاہب کے ساتھ ساتھ اس ظاہری مذہب کے ماننے والے بھی رہے۔ یہ مسلک تقریباً آٹھویں صدی تک دنیا میں جاری رہا۔ جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے اپنے "مقدمہ" میں اس کی تصریح کی ہے۔

خود ہمارے ملک میں اس مذہب کا ابتداء میں کافی زور تھا۔ چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں سندھ کے شہر منصورہ میں ایک بہت بڑے ظاہری مذہب کے امام تھے۔ اور فقہ ظاہری کا درس دیتے تھے۔ ظاہری مذہب کے لوگ قرآن و حدیث کے مطالب کو بالکل ظاہری معنی کے اعتبار سے لیتے تھے۔ اور ان میں کسی قسم کے اجتہاد و قیاس کو دخل

نہیں دیتے تھے۔

بہرحال یہ فقہیں اپنے مقررہ وقت پر ختم ہوگئیں اور دنیا میں اہل سنت وجماعت کے دینی مسائل چار فقہوں میں منحصر ہوگئے۔ اور چونکہ ایک معاملہ میں ایک ہی طریقہ کی پیروی کی جاسکتی ہے۔ چاروں طریقوں کی پیروی نہیں ہوسکتی، اس لئے علمائے اہل سنت نے طے کردیا کہ مسلمانوں کو ان چاروں فقہوں میں سے کسی ایک فقہ کو مان لینا چاہیئے، تاکہ فروعی مسائل میں ذاتی مصالح کا سدباب ہوسکے۔

ان چار مذاہب اہل سنت کے علاوہ مسلمانوں میں اور بھی فقہیں اور مذاہب ہیں۔ جیسے شیعہ اور خوارج وغیرہ لیکن چونکہ ان کا تعلق اہل سنت سے نہیں ہے۔ اس لئے ان کا بیان ہمارے لئے ضروری نہیں ہے۔

ائمہ اربعہ کے اصول

قرآن وحدیث کے احکام پر غور کرکے عوام کی آسانی کے لئے مفصل قوانین مرتب کرنے کا نام "فقہ" ہے۔ ابتداء میں بہت سے بزرگوں نے اپنے اپنے طریقہ پر فقہ کو مرتب کیا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ سب فقہیں ختم ہوگئیں اور صرف چار فقہیں دنیا میں رہ گئیں، ان چاروں کے اندر جو باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ وہ بالکل قدرتی ہیں۔ کیونکہ چاروں اماموں نے احکام کی تحقیق کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان سب کی تحقیق اور فہم میں کچھ نہ کچھ اختلاف واقع ہوگا۔ نیز چاروں ائمہ نے اپنے اپنے اصول فقہ جن کی روشنی میں وہ قرآن وحدیث سے احکام دینیہ کا استخراج کرتے ہیں۔ الگ الگ مقرر کئے ہیں۔ اسی لئے چاروں مذاہب میں تھوڑا تھوڑا فرق ہوگیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استنباط واستخراج کے اصول خود آپ کی زبانی منقول ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں احکام شرعیہ کے استنباط واستخراج میں پہلے کتاب اللہ یعنی قرآن میں غور کرتا ہوں۔ جب اس میں کوئی حکم نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ اور ان صحیح آثار میں غور کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے ملتے ہیں۔ اگر سنت رسول اللہ میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو پھر جس صحابی کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں۔ اور جس بزرگ کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ جب تک قرآن میں کوئی حکم ملتا ہے۔ حدیث کی طرف نہیں آتا۔ اور جب تک حدیث میں کوئی حکم ملتا ہے۔ صحابہ کے اقوال کی طرف نہیں آتا، اور جب تک صحابہ کے اقوال میں کوئی حکم ملتا ہے آگے نہیں بڑھتا۔ لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی حسن بصری، ابن سیرین، اور سعید بن مسیبؒ وغیرہ تک پہونچتا ہے۔ تو پھر میں بھی ان ہی علماء کی طرح اجتہاد سے کام لیتا ہوں

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوٰی میں پہلے کتاب اللہ کو لیتے ہیں۔ پھر سنت رسول اللہ میں سے جو حدیث ان کے نزدیک ثابت ہوتی ہے اسے لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں اہل حجاز کے محدثین کیار پر اعتماد زیادہ رکھتے ہیں، اہل مدینہ کے تعامل کو امام مالکؒ بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ خصوصاً مدینہ کے ائمہ دین کے تعامل کو، حتیٰ کہ بعض اوقات حدیث کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ اس پر اہل مدینہ کا عمل نہیں ہے۔ جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی حکم نہیں ملتا تو پھر قیاس فرماتے ہیں۔

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نصوص قرآنی کے ظواہر کو اس وقت تک حجت مانتے ہیں۔ جب تک یہ دلیل نہ مل جائے کہ یہاں ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔ پھر سنت رسول اللہ کو لیتے ہیں اور اس میں بڑی فراخی فرماتے ہیں

حتی کہ "خبر واحد" کے راوی اگر ثقہ اور ضابط نہیں اور پھر وہ خبر واحد رسول اللہ تک پہنچ جاتی ہے تو اسے قابل عمل سمجھتے ہیں۔ امام مالک کی طرح امام شافعی کے نزدیک حدیث کی تائید کے لئے تعامل ضروری نہیں ہے۔ اور نہ ہی علمائے عراق کی طرح وہ خبر واحد کے مشہور ہونے کی شرط لگاتے ہیں۔ اس کے بعد اجماع پر عمل فرماتے ہیں۔ مگر اجماع بایں معنی لیتے ہیں کہ اس کے خلاف کا علم بالکل ہی نہ ہو۔ کیونکہ آپ کے نزدیک کلی اجماع کا علم غیر ممکن ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس بات کا علم ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ فلاں مسئلہ پر ساری دنیا کے علماء امت مجتمع ہو گئے ہیں اور کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اس کے بعد قیاس پر عمل فرماتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس قیاس کی مدد اصل یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے بھی ہوتی ہو۔

(۴) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کو لیتے ہیں۔ اور خبر واحد کی سند صحیح ہونے کی شرط کے ساتھ اس پر عمل فرماتے ہیں۔ اور صحابہ کے اقوال کو قیاس پر مقدم فرماتے ہیں۔ جب تک کسی مسئلہ میں کسی صحابی کا کوئی قول ملتا ہے۔ اس وقت تک اس مسئلہ میں قیاس نہیں فرماتے ہیں۔

مستثنیات بعض مسائل امام ابو حنیفہ کے خلاف قیاس ہوتے ہیں۔ ایسے مسائل کی تخریج کا نام فقہائے احناف کے نزدیک "استحسان" ہے، امام مالک بھی بعض مسائل کو مرسلہ کے طور پر استنباط فرماتے تھے اس طریقہ استدلال و استنباط کا نام "استصلاح" ہے۔ امام شافعی "استحسان اور استصلاح کی شدت سے مخالفت فرماتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان ہی طریقوں کے مشابہ طریقہ پر بعض مرتبہ عمل فرماتے ہیں۔ جس کا نام "استدلال" ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ان فقہا اور ان کی فقہوں کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ فروعی مسائل اور ہنگامی حوادث میں ہم ان کی تصریحات کو تسلیم کرتے ہیں، ورنہ جہاں تک ہمارے اصول کا تعلق ہے، ہم صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہی ایمان کی جڑ قرار دیتے ہیں۔ اور ان ہی کی روشنی میں صحابہ کرام، تابعین عظام اور علمائے اسلام کی اتباع کر کے فروعی مسائل میں ان کی دینی آرا پر عمل کرتے ہیں۔